بدعت کیا ہے

از

شیخ سعید احمد اسد صاحب

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم ۔۔ اما بعد

آجکل اہل سنت وجماعت کے معمولات کو بعض حضرات دھڑلے سے بدعت قرار دے رہے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں اگر کوئی اہتمام کیا جاتا ہے تو یار لوگ فوراً فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ بدعت۔۔۔ فوت شدگان کیلئے مجلس ایصال منعقد کی جائے تو فتویٰ موجود۔۔بدعت۔۔۔ اذان سے پہلے یا بعد اگر برکت حاصل کرنے کیلئے عقیدت ومحبت سے درود شریف پڑھا جائے تو بدعت کا فتویٰ تیار۔۔۔

چنانچہ مناسب یہی سمجھا گیا کہ بدعت کا صحیح مفہوم آپ حضرات کی عدالت میں پیش کر دیا جائے تاکہ راہ حق واضح ہو جائے۔

اس سلسلے میں میں تین پہلو آپ حضرات کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

پہلا پہلو:۔ بدعت کا شرعی معنی "ہر نئی چیز" کرنا غلط ہے۔

دوسرا پہلو۔ ہر چیز اصل میں مباح ہے۔

تیسرا پہلو۔ بدعت کی حقیقت

پہلا پہلو

یہ درست ہے کہ لغت میں "نئی چیز" کو بدعت کہتے ہیں۔ لیکن شریعت میں جس بدعت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے وہ اور چیز ہے۔ یار لوگ کہا کرتے ہیں کہ بدعت وہ چیز ہے جو نہ تو رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں ہو نہ یہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں۔

اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو میں پوچھتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ نے کوکا کولا کی کتنی بوتلیں نوش فرمائی تھیں؟ اسی طرح سیون اپ، مرنڈا، فانٹا، روح افزا، نورس، چائے وغیرہ کو بھی بدعت کہنا پڑے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں نہ تو رسول ﷺ کے ظاہری زمانہ اطہر میں تھیں نہ ہی صحابہ کرامؓ کے مقدس زمانہ میں۔

یار لوگ ہماری یہ بات سن کر فوراً گفتگو کا رُخ بدل لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کھانے پینے کی اشیاء کا تعلق بدعت سے ہرگز نہیں ہوتا بلکہ وہ نئی چیز جس کو ثواب سمجھ کر کیا جائے اسے بدعت کہتے ہیں۔

اس کے جواب میں تین چیزیں پیش خدمت ہیں۔

1۔ بدعت کی مذکورہ تعریف "ثواب سمجھ کر" کی گئی ہے یا نہیں؟۔۔۔ اگر ثواب سمجھ کر یہ تعریف کی گئی ہے تو کیا بدعت کا یہ معنی اور یہ تعریف نبی اکرم ﷺ نے یا صحابہ کرام یا رحمتِ کائنات ﷺ نے بیان فرمائی ہے تو حوالہ؟۔۔

اور اگر نہیں تو آپ کی مذکورہ تعریف آپ ہی کے اس اصول کے تحت "بدعت" قرار پائے گی۔

2۔ دین کا تعلق صرف نماز، روزہ ہی سے نہیں بلکہ کھانے پینے کی اشیاء سے لیکر زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ اگر دین کا تعلق کھانے پینے کی اشیاء سے نہ ہوتا تو بعض چیزوں کو حرام اور باقی کو حلال نہ قرار دیا جاتا۔ دائیں ہاتھ سے کھانے پینے، بیٹھ کر کھانے اور تین سانس میں پانی پینے کی تلقین نہ ہوتی۔

3۔ اگر دین میں نئی چیز کا نام بدعت ہے تو آیئے مندرجہ ذیل حقائق پر غور فرمایئے۔

(الف) دین کا سب سے بڑا ماخذ قرآن حکیم ہے۔ اس میں اعراب نہ تو رسول اللہ ﷺ نے لگائے تھے نہ ہی صحابہ کرام نے بلکہ مصحف شریف پر اعراب حجاج بن یوسف نے لکھوائے تھے۔

(ب) مساجد کے مینار نہ تو رسول اللہ ﷺ نے بنوائے نہ ہی صحابہ کرام نے۔

(ج) دینی مدارس کی موجودہ شکل (مخصوص نصاب تعلیم، معین اسباق کا معین پیریڈوں میں) پڑھنا، سہ ماہی، ششماہی سالانہ امتحانات وغیرہ وغیرہ) نہ تو عہد نبوی میں موجود تھی نہ ہی عہد اصحاب میں۔

4۔ اگر ہر نیا کام بدعت ہوتا تو رسول اکرم ﷺ یہ ہرگز نہ فرماتے:

من سن فی الاسلام سنة حسن فعمل بها بعده کتب له مثل اجر من عمل بها ولا ینقص من اجورهم شئی۔

ومن سن فی الاسلام سنة سیئة فعمل بها بعده کتب علیه مثل وزر من عمل بها ولا تنقص من اورارحم شئی۔

(صحیح مسلم، ج 2 ص 431)

ترجمہ:۔ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا پھر اس طریقہ پر اس کے بعد عمل بھی کیا گیا تو جتنا اجر اس طریقہ پر عمل کرنے والے کو ملے گا اتنا ہی اجر طریقہ ایجاد کرنے والے کو بھی ملے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں سے ذرہ برابر بھی کمی نہ کی جائے گی۔

اور جس شخص نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا پھر اس کے بعد اس برے طریقہ پر عمل بھی کیا گیا تو جتنا گناہ عمل کرنے والے کو ملے گا اتنا ہی گناہ طریقہ ایجاد کرنے والے کو بھی ملے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں ذرہ بھر بھی کمی نہ کی جائے گی۔

5۔ اگر ہر نیا کام بدعت ہوتا تو محدثین کرام بدعت کی مندرجہ ذیل پانچ قسمیں بیان نہ فرماتے۔

۱۔ بدعت واجبہ

۲۔ بدعت محرمہ

۳۔ بدعت مندوبہ

۴۔ بدعت مباحہ

۵۔ بدعت مکروھہ

وہابی عالم علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں۔

اما البدعة اللغوية گهی تنقسم الی مباحة و مكروحة و حسنة و سيئة

"بہرحال بدعت لغوی یہ تقسیم ہوتی ہے۔ مباحۃ، مکروھۃ، حسنہ اور سیئۃ کی طرف" (ھدیہ المہدی صفحہ ۱۱۷)

اگر ہر نیا کام بدعت سیئہ ہوتا تو نہ کوئی نیا کام مباح ہوتا اور نہ ہی اچھا۔

7۔ یہی علامہ وحید الزمان علامہ ابن اثیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

"بدعت دو قسم کی ہے ۔ ایک بدعت ضلالت جس کو سیئہ بھی کہتے ہیں۔ دوسری بدعت ہدایت جس کو بدعت حسنہ بھی کہتے ہیں ۔ جو بدعت اللہ اور رسول کے احکام کے خلاف میں ہو وہی بدعت ضلالت اور سیئہ ہے اور جو بدعت اللہ اور رسول کے احکام کے موافق ہو گو اس کی کوئی مثال پہلے سے نہ ہو مثلاً سخاوت کی نئی شکلیں یا عمدہ اور بہتر کاموں کی نئی صورتیں (جیسے کوئی یتیم خانہ یا بیوہ گھر یا بیت المساکین یا بیت المعذورین یا کتب خانہ یا قرض حسنہ کا بینک یا مدرسہ صنعت و حرفت و تجارت و زراعت و علم دینیہ یا مدرسہ تعلیم طب و علاج ادویہ قائم کرے) وہ بدعت حسنہ ہے اور اس پر ثواب کی امید ہے بدلیل دوسری حدیث کے

من سن سنۃ حسنۃ کان لہ اجرھا و اجر من عمل بھا و من سن سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا و وزر من عمل بھا۔

اور حضرت عمر نے جو تراویح کو بدعت فرمایا وہ اسی معنی میں ہے ۔ یعنی بدعت حسنہ ہے کیونکہ افعال خیر میں داخل ہے اور اللہ اور رسول کے احکام کے موافق ہے اور بدعت اس کو اس لیے کہا کہ رسول ﷺ نے تراویح اس انتظام کے ساتھ نہیں پڑھی تھی جو انتظام حضرت عمر نے کیا تھا بلکہ کئی راتیں پڑھ کر اس کو چھوڑ دیا تھا۔ ابوبکر صدیق کے زمانہ میں بھی ایسا ہی رہا حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں سب لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کیا اور روزانہ تراویح پڑھنے کیلئے رغبت دلائی اس لئے اس کو بدعت کہا۔ درالحقیقت وہ سنت ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی

اور فرمایا

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر و کل بدعۃ ضلالۃ

اس سے یہی مراد ہے کہ جو بدعت سیئہ ہو اور مخالف اصول شرع ہو وہ گمراہی ہے۔

تمام ہوا کلام ابن اثیر کا (لغات الحدیث و کتاب "ب" ج ا ص ۲۹۔۳۰)

8۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے

المحدثات من الامور ضربان احدهما احدث مما يخالف كتابا او سنة او اثرا او اجماعاً فهذه البدعت الضلالة۔ الثانيه ما احدث من الخير لا خلاف فيه لواحد من العلماء و هذه محدثة غير مذمومة

نئے کام کی دو قسمیں ہیں۔

(ا) وہ نیا کام جو کتاب یا سنت یا اثر یا اجماع کے خلاف ہو۔ یہ نیا کام "بدعت ضلالت" کہلائے گا۔

(۲) وہ نیا کام جو بہتر ہو۔ اس میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس نئے کام میں قطعا کوئی برائی نہیں ہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات از امام نووی ج ۲ ص ۲۳ المجلد الاول)

دوسرا پہلو

ہر چیز اصل میں مباح ہے۔

جن چیزوں کے متعلق شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے یا ترغیب دی ہے وہ فرض، واجب، سنت اور مستحب (علی حسب الحکم) قرار پا گئیں۔

جن چیزوں کے متعلق شریعت مطہرہ نے ممانعت فرمائی ہے یا ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے وہ حرام، مکروہ، تحریمی، مکروہ تنزیہی او اساءت (علی حسب الحکم) قرار پا گئیں۔ اور جن چیزوں کے متعلق شریعت مطہرہ نے سکوت فرمایا یعنی حکم و ترغیب ہے اور نہ ہی ممانعت و ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا وہ سب چیزیں بلاشبہ جائز یا مباح ہیں۔ چند دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

عربیا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَسْأَلُواْ عَنْ أَشْيَاء إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِن تَسْأَلُواْ عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّهُ عَنْهَا وَاللّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ {101}

ایمان والوان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو تم پر ظاہر ہو جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر نزول قرآن کے وقت دریافت کرلو گے تو ظاہر بھی کردی جائیں گی اور اب تک کی باتوں کو اللہ نے معاف کردیا ہے کہ وہ بڑا بخشنے والا اور برداشت کرنے والا ہے {101}

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جب تک وحی نازل نہ ہو تو نہ کوئی چیز لازم ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی چیز منع۔

دیوبندی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں۔

پچھلے دو رکوع کا حاصل احکام دینیہ میں غلو اور تساہل سے روکنا تھا۔ یعنی جو طیبات خدا نے

حلال کی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام مت ٹھراؤ۔ اور جو چیزیں خبیث و حرام ہیں خواہ وہ دائمی طور پر یا خاص احوال و اوقات میں ان سے پوری طرح اجتناب کرو۔ ان آیات میں تنبیہ فرمادی کہ جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں ان کے متعلق فضول اور دور از کار سوالات مت کیا کرو۔ جس طرح تحلیل وتکریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت و سہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمال حکمت و عدل سے حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہوگئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی۔ مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا اور عمل کرنے والے اس کے فعل و ترک میں آزاد رہے۔ اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود کرید اور بحث و سوال کا دروازہ کھولا جائے گا جس وقت قران شریف نازل ہو رہا ہے اور تشریع کا باب مفتوح ہے تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جواب میں بعض ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کے بعد تمہاری یہ آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے۔ پھر یہ سخت شرم کی بات ہوگی کہ جو چیز خود مانگ کر لی ہے اس کو نبھا نہ سکیں۔ (حاشیہ تفسیر عثمانی ص ۱۶۱)

نیز یہ لکھا ہے:

"یا تو مراد یہ ہے کہ ان اشیاء سے درگذر کی یعنی جب خدا نے ان کے متعلق کوئی حکم نہ دیا تو انسان ان کے بارے میں آزاد ہے۔ خدا ایسی چیزوں پر گرفت نہ کرے گا۔ چنانچہ اسی سے بعض علماء اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور یا یہ کہ ان فضول سوالات سے جو پہلے کر چکے ہو اللہ نے درگذر کی آئندہ احتیاط رکھو۔ (حاشیہ عثمانی ص ۱۶۱)

مودودی صاحب لکھتے ہیں:

نبی ﷺ سے لوگ عجیب عجیب قسم کے فضول سوالات کیا کرتے تھے جن کی نہ دین کے

کسی معاملہ میں ضرورت ہوتی تھی اور نہ دنیا ہی کے کسی معاملہ میں۔ مثلاً ایک صحابی بھرے مجمع میں آپ سے پوچھ بیٹھے کہ "میرا اصل باپ کون ہے؟" اسی طرح بعض لوگ احکام شرع میں غیر ضروری پوچھ گچھ کیا کرتے تھے اور خوا مخواہ پوچھ پوچھ کر ایسی چیزوں کا تعین کرانا چاہتے تھے جنہیں شارع نے مصلحتاً غیر معین رکھا ہے۔ مثلاً قرآن میں مجملاً یہ حکم دیا گیا تھا کہ حج تم پر فرض کیا گیا ہے۔ ایک صحابی نے حکم سنتے ہیں نبی ﷺ سے دریافت کیا کیا ہر سال حج فرض کیا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا آپ پھر خاموش ہو گئے۔ تیسری مرتبہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے اگر میری زبان سے ہاں نکل جائے تو حج ہر سال فرض قرار پا جائے۔ پھر تم ہی لوگ اس کی پیروی نہ کر سکو گے اور نافرمانی کرنے لگو گے۔" ایسے ہی لایعنی اور غیر ضروری سوالات سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔

نبی ﷺ خود بھی لوگوں کو کثرت سوالات سے اور خواہ مخواہ ہر بات کی کھوج لگانے سے منع فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ یہ حدیث میں ہے:

ان اعظم المسلمین فی المسلمین جرماً من سال عن شیئی لم یحرم علی الناس فحرم من اجل مسئلة

ترجمہ:۔ مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال چھیڑا جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی تھی اور پھر محض اس کے سوال چھیڑنے کی بدولت وہ چیز حرام ٹھہرائی گئی۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوحا و حرم حرمات فلا تنتحکوھا

وحد حدودا فلا تعتدوها وسكت عن اشياء من غير نسيان فلا تبحثوا عنها۔

ترجمہ:۔ اللہ نے کچھ فرائض تم پر عائد کیے ہیں انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کے پاس نہ پھٹکو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے بغیر اس کے کہ اسے بھول لاحق ہوئی ہو۔ لہذا ان کی کھوج نہ لگاؤ۔

ان دونوں حدیثوں میں ایک اہم حقیقت پر متنبہ کیا گیا ہے جن امور کو شارع نے مجملاً بیان کیا ہے اور ان کی تفصیل نہیں بتائی یا جو احکام بر سبیل اجمال دیئے ہیں اور مقدار یا تعداد یا دوسرے تعینات کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ان میں اجمال اور عدم تفصیل کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شارع سے بھول ہوگئی کہ تفصیلات بتانی چاہیئے تھیں مگر نہ بتائیں۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شارع ان امور کی تفصیلات کو محدود نہیں کرنا چاہتا اور احکام میں لوگوں کے لئے وسعت رکھنا چاہتا ہے (تفہیم القرآن ج ۱، صفحہ ۵۰۷-۵۰۸)

۲)

لَيۡسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُواْ إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَواْ وَّآمَنُواْ ثُمَّ اتَّقَواْ وَّأَحۡسَنُواْ وَاللّهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِينَ

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے ان کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے جو کچھ کھا پی چکے ہیں جب کہ وہ متقی بن گئے اور ایمان لے آئے اور نیک اعمال کئے اور پرہیز کیا اور ایمان لے آئے اور پھر پرہیز کیا اور نیک عمل کیا اور نیک اعمال کرنے والوں ہی کو دوست رکھتا ہے {المائدہ 93}

اس آیت مبارکہ سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ جب تک شریعت کی جانب سے حرمت نازل نہ ہو اتنی دیر تک چیز مباح رہتی ہے۔ اسی لیے اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ منع کا حکم نازل ہونے سے پہلے پہلے جن لوگوں نے حرام چیزیں مثلاً شراب، جوا وغیرہ استعمال کی تھیں ان پر قطعاً کوئی گناہ نہیں ہے۔

ثابت ہوا کہ ہر چیز اصل میں مباح ہے۔

۔۳

قُلْ لاَّ أَجِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلاَّ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی طرف آنے والی وحی میں کسی بھی کھانے والے کے لیے کوئی حرام نہیں پاتا مگر یہ کہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون یا سور کا گوشت ہو کہ یہ سب نجس اور گندگی ہے یا وہ نافرمانی ہو جسے غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو.....اس کے بعد بھی کوئی مجبور ہو جائے اور نہ سرکش ہو نہ حد سے تجاوز کرنے والا تو پروردگار بڑا بخشنے والا مہربان ہے {سورہ الانعام 145}

"حضرت سیدنا عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کچھ چیزوں کو تو کھا لیا کرتے تھے اور کچھ چیزوں کو گندہ سمجھ کر چھوڑ دیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان میں نبی (ص) کو مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اس کے حلال کو حلال قرار دیا اور اس کے حرام کو حرام۔ پس جس چیز کو اس نے حلال قرار دیا وہ حلال ہے اور جس کو حرام قرار دیا وہ حرام ہے اور جس چیز سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے اور آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الی آخر

الآیۃ۔

(ابو داؤد شریف ج ۲، ص ۱۸۳ باب مالم یذکر تحریمہ)

ایک دیوبندی عالم خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں

وتلا ای ابن عباس لبیان ان لا تحریم ال بالوحی

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے یہ آیت اس لئے تلاوت فرمائی کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ چیز صرف وحی ہی سے حرام ہوتی ہے۔

(بذل المجہود شرح ابوداؤد ج ۵، ص ۳۷۰)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ازیں جا معلوم می شود کہ اصل در اشیاء اباحت است ۔

"یہاں سے معلوم ہوا کہ چیزوں میں اصل اباحت ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳، ص ۴۷۹)

نیز فرماتے ہیں:۔

غرض ابن عباس رضی اللہ عنہ از تلاوت ایں آیت آں بودہ است کہ بدانانند کہ تحریم نیست مگر بوحی و جائز نیست بھواء و وحی گا ہے جلی است و گاہے خفی۔ "

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی اس آیت کریمہ کے تلاوت فرمانے سے غرض یہ تھی کہ آپ بتا دیں کہ کسی چیز کی حرمت صرف وحی سے ہی ہوتی ہے اور کسی چیز کو اپنی خواہش سے حرام قرار دینا جائز نہیں اور وحی کبھی جلی ہوتی ہے اور کبھی خفی (اشعۃ اللمعات ج ۳، ص ۴۷۹)

ایک وہابی عالم شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

(قل لا احد فیما اوحی الی) ای فی القرآن او فی ما اوحی الی مطلقاً و فیه تنبیه علی ان التحریم انما یعلم بالوحی لا بالھوی۔ (محرماً) ای طعاماً محرماً و الحدیث یدل علی ان الاشرباء اصلھا علی الاباحقه

(فرما دیجئے میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی کی گئی) یعنی قرآن میں یا جو مطلقاً میری طرف وحی کی گئی اس میں اور اس میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ حرمت صرف وحی سے معلوم ہوتی ہے خواہش سے نہیں (حرام) یعنی کھانا حرام ۔۔۔ اور حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے ۔ (عون المعبود، ج ۳، ص ۴۱۷)

ایک اور وہابی عالم احمد حسن صاحب دہلوی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

رجاله کلھم ثقات و اخرجه ایضاً ابن مردویه والحاکم و صححه و فی الباب عن ابی الدرداء رفعه بلفظ ما احل الله فی کتابه فھو حلال وما حرم فحو حرام و ما سکت عنه فحو عفو فاقبلو من الله عافیة فان الله لم یکن لینسی شیئا و تلا فما کان ربک نسیا اخرجه البزار و قال سنده صالح و الحاکم و صححه (قوله تفذراً) ای کراحة و احادیث الباب تدل علی ان الاصله فی الاعیان و الاشیاء الاباحة الی ان یرد منع ۔

ترجمہ:۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس حدیث کو ابن مردویہ اور حاکم نے بھی بیان کیا ہے اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ۔

اس مضموں کی ایک حدیث حضرت ابو درداء نے بھی بیان کی ہے کہ خود رسول (ص) نے ارشاد فرمایا: "جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال ٹھہرایا ہے وہ حلال ہے اور جس چیز

کو حرام کر دیا ہے وہ حرام ہے اور جس چیز سے سکوت فرمایا ہے وہ معاف ہے۔ پر اللہ کی طرف سے عافیت کو قبول کرو اس لئے کہ اللہ بھولتا نہیں اور اس کے بعد نبی اکرم (ص) نے یہ آیت تلاوت فرمائی "آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے (سورہ المریم ۶۴) اس حدیث کو بزار نے بیان کیا اور کہا کہ اس حدیث کی سند صالح ہے۔ اسی حدیث کو امام حاکم نے بھی بیان کیا اور فرمایا کہ حدیث صحیح ہے اس حدیث میں لفظ تقذر اکراھتہ کے معنی میں ہے اور اس مضمون کی سب حدیثیں اس بات کی دلیل ہے کہ اعیان واشیاء میں اصل اباحت ہے جب تک ممانعت وارد نہ ہو جائے۔ (تنقیح الرواۃ شرح مشکوۃ، ج ۳، ص ۲۰۱)

۴۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِيَ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالْطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِي لِلَّذِينَ آمَنُواْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ

پیغمبر آپ پوچھئے کہ کس نے اس زینت کو جس کو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ رزق کو حرام کر دیا ہے ...اور بتایئے کہ یہ چیزیں روز قیامت صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جو زندگانی دنیا میں ایمان لائے ہیں۔ہم اسی طرح صاحبان علم کے لئے مفصل آیات بیان کرتے ہیں { سورہ الاعراف 32}

اس آیت کریمہ سے پتا چلتا ہے کہ آج کسی بھی فرد کو کسی پاک چیز کے حرام کرنے کا اختیار نہیں۔ حرمت صرف وحی سے ثابت ہوتی ہے۔

اسی آیت کی تفسیر میں مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

"مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو دنیا کی ساری زینتیں اور پاکیزہ چیزیں بندوں ہی کیلئے پیدا کی ہیں اس لئے اللہ کا منشاء تو بہرحال یہ نہیں ہو سکتا کہ انھیں بندوں کیلئے حرام کر دے۔

اب اگر کوئی مذہب یا کوئی نظام اخلاق و معاشرت ایسا ہے جو انہیں حرام یا قابلِ نفرت قرار دیتا ہے تو اس کا یہ فعل خود ہی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہے یہ بھی ان حجتوں میں سے ایک اہم حجت ہے جو قرآن نے مذاہب باطلہ کے رد میں پیش کی ہے اور اس کو سمجھ لینا قرآن کے طرز استدلال کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔

" (تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۲۳)

۵۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللّهَ حَرَّمَ هَذَا {150}

کہہ دیجئے کہ ذرا اپنے گواہوں کو تو لاؤ جو گواہی دیتے ہیں کہ خدا نے اس چیز کو حرام قرار دیا ہے

.... {سورہ الانعام 150}

اس آیت کریمہ سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ ہر چیز اصل میں جائز ہے۔ صرف وہی چیز حرام ہے جس کو اللہ نے یا اس کے اذن اور دیے ہوئے اختیار سے رسول (ص) نے حرام کیا ہے۔

اگر ہر چیز اصل میں حرام ہوتی تو اللہ کبھی کافروں سے حرمت کی دلیل پیش کرنے کا مطالبہ نہ فرماتا۔

۶۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الأَرْضِ جَمِيعاً

"وہ خدا وہ ہے جس نے تمہارے فائدہ کے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب پیدا کیا

ہے" {سورہ البقرہ 29}

اس آیت سے بھی یہ پتا چلتا ہے کہ ہر چیز اصل میں جائز ہے۔ ہمارے نفع کے لیے پیدا کی گئی ہے ماسوائے ان چیزوں کے جن کو شریعت مطہرہ نے حرام قرار دیا ہے۔

ہم نے آپ کے سامنے قرآن حکیم کی چھ آیات مقدسہ اور ان کی تفسیر میں چند احادیث مبارکہ پیش کی ہیں جن سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ حرام صرف وہی چیز ہے جس کو اللہ اور اس کے پیارے رسول (ص) نے حرام کیا ہے۔ کسی مولوی کے کہنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔ اسی مضمون کی دو مزید احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں۔

۷۔ مشہور وہابی عالم علامہ وحید الزمان نے یہ حدیث نقل کی ہے

کل شیئی لک مطلق حتی یرد فیه نهی

ہر چیز کا کرنا تجھ کو روا ہے یہاں تک کہ اس کی ممانعت میں کچھ وارد نہ ہو جائے (یعنی قرآن یا حدیث میں اس کی ممانعت نہ آجائے)۔ یہ حدیث دین کی ایک بڑی اصل ہے۔ تمام کھانے پینے، پہننے کی چیزیں، دنیا کے رسم و رسومات مباح ہیں جب تک ان کی ممانعت کسی نص سے ثابت نہ ہو۔ (لغات الحدیث کتاب "ط" ج ۳، ص ۳۸ مطبوعہ سر محمد کتب خانہ کراچی)۔

نمبر ۸۔ ابن ماجہ شریف میں حضرت سلمان فارسیؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم (ص) سے صحابہ کرام نے چند چیزوں کی علت و حرمت کے متعلق جب پوچھا تو رسول (ص) نے فرمایا:

الحلال ما احل الله فی کتابه و الحرام حرم الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفی عنه

"حلال وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا ہے اور حرام وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے اور جس کا ذکر نہیں فرمایا وہ سب معاف ہیں۔

(ابن ماجہ شریف، ص ۲۴۹)

آج جو لوگ میلاد شریف، مجالس ایصال ثواب، اذان سے قبل یا بعد درود شریف، جنازہ کے بعد دعا وغیرہ معمولات اہلسنت کو حرام اور ناجائز کہتے ہیں ان کو سوچنا چاہئے کہ کیا اللہ اور اس کے پیارے رسول (ص) نے ان میں سے کسی چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ اگر ان میں سے کسی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہے تو برائے مہربانی ہمیں وہ آیت یا حدیث بتا دی جائے۔ ایسی صورت میں خدا کی قسم ہم ہر منع کردہ چیز کو ترک کر دیں گے۔ لیکن اگر کوئی ایسی آیت یا حدیث نہ مل سکے جس میں مذکورہ بالا چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہو تو ان کو فتویٰ بازی سے رک جانا چاہیے کیونکہ اشیاء کو حرام قرار دینے کے اختیارات اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نہیں عطا فرمائے ہیں۔

تیسرا پہلو

بدعت کی حقیقت

جس طرح شرک بہت بڑا گناہ ہے اسی طرح بدعت بھی بہت بری چیز ہے۔ جس طرح مشرک کے تمام اعمال اکارت جاتے ہیں اسی طرح بدعتی کی بھی کوئی نیکی اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کے پیش نظر ہر مسلمان کو شرک اور بدعت سے ہر صورت بچنا چاہئے کیونکہ نجات بہر صورت کتاب و سنت سے وابستگی ہی میں ہے۔

جس طرح شرک اور بدعت سے بچنا ضروری ہے اسی طرح کسی مسلمان کو مشرک اور بدعتی کہنے سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ فتویٰ معمولی فتویٰ نہیں ہے۔ اگر کار اس کا جواب بھی روز قیامت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دینا پڑے گا۔

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ شریعت مطہرہ نے "نئی چیز" کو ہرگز گمراہی قرار نہیں دیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ دین اسلام صرف چند صدیوں تک کیلئے ہی قابل عمل نہیں یہ تو قیامت تک کیلئے قابل عمل ہے۔ اور یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ قیامت تک ہزاروں، لاکھوں نئی چیزیں ایجاد ہوں گی۔ اسلام کی تبلیغ کیلئے بھی اور اسلام کی شان و شوکت کے اظہار کے لیے بھی زمانہ کے تقاضوں کے مطابق نئے نئے طریقے ایجاد ہوتے رہیں گے۔ اگر ان سب چیزوں کو "بدعت" قرار دے دیا جائے تو اسلام کا دامن بالکل تنگ ہو کر رہ جائے گا۔

اب آیئے آپ کو "بدعت" کی ایک نہایت آسان پہچان بتاؤں۔ نبی اکرم (ص) نے ارشاد فرمایا:

ما احدث قوم بذعة ال رفع مثلها من السنة

جب کوئی قوم بدعت ایجاد کرتی ہے تو اسی کی مثل سنت ختم ہو جاتی ہے۔ (مشکوۃ، ص ۳۱)

یعنی بدعت وہ ہے جن کے اختیار کرنے سے سنت بدل جائے۔ اگر کسی عمل سے سنت نہیں بدلتی تو وہ عمل بدعت بھی نہیں کہلائے گا۔

آیئے اب چند مثالیں دیگر عرض کرتا چلوں تاکہ شکوک و شبہات کے بادل چھٹ جائیں۔

نمبر۱۔ سنت کا معنی ہے طریقہ۔۔۔ نبی اکرم (ص) نے ہمیں نماز پڑھنے کا ایک طریقہ بتایا مثلاً نماز مغرب کے فرض تین رکعت ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تو نماز مغرب کے فرض ۲ رکعت پڑھوں گا، یا پھر یہ کہے کہ ۳ رکعت کی بجائے ۵ رکعت پڑھوں گا۔ اب مغرب کے فرض ۳ رکعت نہ پڑھنے والے نے رسول (ص) کا طریقہ بدل دیا اور اسی لیے اسے بدعت کہا جائے گا۔

نمبر۲:۔ ایک شخص کہتا ہے کہ ہاں مغرب کے فرض میں تو تین رکعت لیکن میں نماز، تکبیر تحریمہ، اور قیام سے شروع نہیں کروں گا بلکہ میں تو نماز کو سجدہ سے شروع کروں گا۔ پھر رکوع کروں گا، پھر قیام ۔ ۔ ۔ ظاہر ہے کہ اس طرح نماز پڑھنے والے نے بھی رسول (ص) سے طریقے کو بدل دیا ہے اور اسی لیے اسے بھی بدعت کہا جائے گا۔

نمبر۳:۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ میں مغرب کے فرض تو تین رکعت ہی ادا کروں گا۔ پہلے قیام کروں گا، پھر رکوع پھر سجود۔ لیکن ایام میں ثناء، سورۃ فاتحہ، اور کوئی دوسری سورۃ ساتھ مل کر پڑھنے کی بجائے سبحان ربی الاعلی ۵ مرتبہ پڑھوں گا اور رکوع میان قرات کروں گا۔ سجدہ میں تشہد پڑھوں گا اور تشہد کی جگہ ۱۱ مرتبہ سبحان ربی العظیم پڑھوں گا۔ ظاہر ہے اس طرح نماز پڑھنے والا بھی چونکہ نبی اکرم (ص) کے تعلیم فرمائے ہوئے طریقہ کو بدل رہا ہے، اس لئے یہ بھی بدعت کہلائے گا۔

نمبر۴: نبی اکرم (ص) نے ہمیں "اذان" کا طریقہ بھی سکھایا ہے۔ اذان کے کلمات بھی سکھائے اور ان کی ترتیب بھی۔ اب اگر کوئی شخص اذان کے کلمات کی ترتیب بدل دے اور اللہ اکبر کی بجائے "حی الصلوۃ" سے اذان دینا شروع کر دے تو یہ بھی بدعت ہو گا۔ کیونکہ اس نے نبی (ص) کا طریقہ بدل دیا ہے۔

اگر کوئی شخص اذان میں اپنی طرف سے کسی کلمہ اضافہ کر دے تو "سنت" کے بدل جانے کی وجہ سے اسے بھی بدعت کہیں گے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اشھد ان محمد الرسول اللہ " کے بعد اشھد ان علیا ولی اللہ " کا اضافہ کرے۔

شیعہ کی "صحاح اربعہ" میں شامل کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" کا مصنف ابن بابویہ قمی لکھتا ہے:

"مفوضۃ پر اللہ لعنت فرمائے کہ انھوں نے کئی حدیثیں گھڑلیں اور اذان میں دو مرتبہ "محمد و آل محمد خیر البریہ" کا اضافہ کر دیا۔ اور بعض روایات کے مطابق وہ اشھد ان محمد الرسول اللہ کے بعد اشھد ان علیا ولی اللہ دو مرتبہ کہتے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ اس کی بجائے اشھد ان علیا امیر المومنین حقاً دو مرتبہ کہتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت علی اللہ کے ولی بھی ہین اور وہ یقیناً امیر المومنین بھی ہیں اور محمد (ص) اور ان کی آل بہترین خلق بھی ہیں لیکن یہ الفاظ اصل اذان

میں نہیں ہیں۔ (من لایحضرہ الفقیہ، ج ۱، صفحہ ۱۸۸ مطبوعہ ایران)

غور فرمایئے کہ اگر اذان میں "اشھد ان علیا ولی اللہ" کا اضافہ درست نہیں ہے تو اشھد ان امیر المومنین، امام المتقین، قاتل المشرکین علیا ولی اللہ، وصی رسول اللہ وخلیفہ بلا فصل کے الفاظ کیسے درست ہو سکتے ہیں۔ جب کہ آخری الفاظ بالکل غلط ہیں اور ان الفاظ کا معنی یہ ہے کہ معاذاللہ سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان کی خلافت باطل ہے۔

سوال:۔ اگر اذان میں اضافہ "بدعت" ہے تو اذان سے قبل یا بعد درود شریف پڑھنا کس طرح جائز ہو گا۔

جواب:۔ بلاشبہ اذان اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے اور لا الہ الا اللہ پر ختم ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص درود شریف یا کسی بھی دعاء کو اذان کا جزو سمجھ کر اذان سے پہلے یا بعد پڑھتا ہے تو یقیناً یہ بدعت ہے۔ ہم ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ درود شریف یا کوئی دعاء بالکل الگ چیز ہے اور اذان بالکل الگ چیز۔ ہاں برکت کے حصول کیلئے اذان کے ساتھ درود شریف یا کوئی دعا پڑھ لینا نبی ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا

"اذان کے بعد مجھ پر درود شریف پڑھو کیونکہ جو بھی مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر میرے لئے دعاء وسیلہ پڑھو۔

(ابو داؤد، ج ۱، ص ۷۷، صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۲۲، نسائی ج ۱، ص ۱۱۰)

نسائی شریف میں تو پورا باب موجود ہے "باب الصلوۃ علی النبی ﷺ بعد الاذان" یعنی اذان کے بعد نبی ﷺ پر درود پڑھنے کا بیان (نسائی شریف ج ۱، ص ۱۱۰)

موذن رسول حضرت سیدنا بلال حبشی کا معمول تھا کہ:

کان بلال قفف علی باب رسول اللہ ﷺ بعد الاذان فیقول السلام علیک یا رسول اللہ ، الصلوۃ یا رسول اللہ

کہ وہ اذان کے بعد رسول اللہ ﷺ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر عرض کرتے اے اللہ کے رسول آپ پر سلام ہو اے اللہ کے رسول نماز تیار ہے (تنویر الحوالک شرح موطاء امام مالک ج ۱، ص ۹۳)

ابو داؤد شریف میں ہے کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ بنونجار کی ایک صحابیہ فرماتی ہیں:

کان بیتی من اطول بیت کان حول المسجد فکان بلال یوآذن علیه الفجر فیاتی بسحر فیجلس علی البیت ینظر الی الفجر فاذا راہ تمطی ثم قال اللهم انی احمدک واستعینک علی قریش ان یقیموا دینک قالت ثم یؤذن قالت والله ما علمته کان ترکها لیلة واحدة هذه الکلمات

میرا گھر مسجد کے گرد مکانات میں سے اونچا تھا۔ حضرت بلال اس پر فجر کی اذان دیا کرتے تھے۔ وہ سحری کے وقت یہ آن کر میرے مکان کی چھت پر بیٹھ کر فجر (صبح صادق) کو دیکھتے رہتے۔ پھر جب فجر نظر آ جاتی تو انگڑائی لیتے اور پھر دعاء مانگتے کہ اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں اور تجھ سے قریش پر مدد مانگتا ہوں کہ وہ تیرے دین کو قائم کریں۔ وہ صحابیہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد بلال اذان دیتے۔ آگے وہ مزید فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم ہے مجھے نہیں معلوم کہ بلال نے اذان فجر سے پہلے کبھی اس دعاء کا ناغہ کیا ہو۔

(ابو داؤد شریف ج ۱، ص ۷۷)

معلوم ہوا کہ اذان سے قبل یا بعد درود شریف پڑھنا یا دعا مانگنا بدعت نہیں۔

سوال:۔ اگر اذان میں اشہد ان علیا ولی اللہ وغیرہ الفاظ کا اضافہ بدعت ہے تو اذان فجر میں حی علی الفلاح کے بعد "الصلوۃ خیر

من النوم" کا اضافہ بھی بدعت ہوگا کیونکہ رسول ﷺ نے یہ الفاظ تعلیم نہیں فرمائے ہیں۔

جواب:۔ یہ اہلسنت پر شیعہ کا افتراء ہے۔ رسول ﷺ نے خود یہ الفاظ تعلیم فرمائے ہیں۔ سنن نسائی میں ہے:

عن ابی محذورة قال كنت اؤذن لرسول الله و كنت اقول فی الاذان الفجر الاول حی علی الفلاح، الصلوة خير من النوم، الصلوة خير من نوم، الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله۔

حضرت ابو محذورہ فرماتے ہیں کہ میں رسول ﷺ کا موذن تھا اور میں فجر کی اذان میں کہا کرتا تھا حی علی الفلاح، الصلوۃ خیر من النوم، الصلوۃ خیر من نوم، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔

(سنن نسائی ج ۱، ص ۱۰۲)

نتیجہ آمدم بر سر مطلب یہ نکلا کہ بدعت وہ ہے جو رافع سنت ہو۔ یعنی جس کے کرنے سے رسول ﷺ کا تعلیم فرمایا ہو طریقہ بدل جائے اور جس عمل سے رسول ﷺ کی سنت ختم نہ ہو وہ چیز ہرگز بدعت شرعی نہیں ہے۔

اب ٹھنڈے دل سے سوچئے:

رسول ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی کرنے سے وہ کون سا معین طریقہ ہے جو تبدیل ہو جاتا ہے؟

جنازہ پڑھ لینے کے بعد صفیں توڑ دینے کے بعد ایک دوسرے کا حال احوال پوچھ لینا تو جائز ہو لیکن میت کے لئے بخشش کی دعاء مانگ لینے سے کس معین طریقہ میں تبدیلی آجاتی ہے؟

میت کے لئے ایصالِ ثواب کی مجلس منعقد کرنے سے کونسی سنت ختم ہو جاتی ہے؟ اگر کسی معین سنت یا طریقہ میں تبدیلی آتی ہے تو مخالفین اس کی نشاندہی کریں، ورنہ "بدعت" کا فتویٰ لگانے باز رہیں۔

سوال: حضرت عبداللہ ابن مسعود نے مسجد میں لوگوں کو ایک مخصوص طریقے سے ذکر کرتے دیکھا تو ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ معلوم ہوا کہ نیا طریقہ اختیار کرنا بھی بدعت ہے۔

جواب:۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ سنن دارمی میں اس کی سند یوں مذکور ہے۔

(اخبرنا) الحکم بن المبارک انا عمر بن یحیی

یہ عمر بن یحیی متروک الحدیث ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳، ص ۲۳۰)

سوال:۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ تھا کہ ایک شخص نے ظہر یا عصر میں تثویب کہی۔ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا ہمیں یہاں سے لے چلو اس لئے کہ یہ بدعت ہے۔ (ابوداؤد ج ۱، ص ۷۹)

جواب:۔ اذان میں "الصلوۃ خیر من النوم" پڑھنے کو تثویب کہا جاتا ہے (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۰۶) اور یہ تثویب نبی ﷺ نے صرف فجر کی اذان میں تعلیم فرمائی تھی نہ کہ ظہر کی یا عصر کی اذان میں۔ اب جو شخص بھی ظہر یا عصر کی اذان میں الصلوۃ خیر من نوم کا اضافہ کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ نبی ﷺ کے تعلیم فرمائے ہوئے طریقہ کو تبدیل کر رہا ہے اس لئے یہ فعل یقیناً بدعت کہلائے گا۔